قیام پاکستان کے بعد اُستاد قمر جلالوی کے اوراق کی بازیابی

ناصرہ عابدی*

Abstract:

Qamar Jalalvi[1887-1968]is best known for his Ghazals and unique subjects in Urdu Poetry. His pen name "Qamar Jalalvi" overshadowed his real name Syed Muhammad Hussain Abidi. Though a traditionalist poet, he added depth and uniqueness in various aspects of Urdu Poetry such as Ghazal, Ruba'i and Marsiyah. He was not a student or disciple of any particular poet, yet he was inspired by Ameer Minaai and used to regard him as his spiritual mentor. Ustaad Qamar Jalalvi, himself, was known among his contemporary poets as "Ustaad" (teacher). He had numerous students and followers in his literary and poetic circles.

In this article the researcher has high lighted various turns and twists of his life but focussed upon the worth and merit of his poetic contribution. His humble socioeconomic status and poor source of earning enhanced the circle of his sympathisers. Mr. Z.A. Bukhari introduced him to the public of Pakistan through Radio Pakistan.

Ustaad achieved great fame in Indo-Pak subcontinent the field of "Ghazal" and was awarded a lifelong monthly scholarship from government of Pakistan as a token of appreciation for his literary services. In this article, four of his poetic collections have been discussed including "Gham-e-Javedaa'n, Aqeedat-e-Javedaa'n, Auj-e-Qamar and Rashk-e-Qamar. In fact traditional poetry always needs to be revisited to re assess its worth and charm.

پس منظر

تقسیمِ ہند کے موقع پر ہونے والے ہندو مسلم فسادات نے انسانی جذبات اور اقدار کی دھجیاں بکھیر دی

* ریسرچ سکالر شعبۂ اُردو، کراچی یونیورسٹی، کراچی

تھیں اور دکھائی یہ دیتا تھا کہ مشترک تمدن اور ثقافت کی ہر نشانی مٹ جائے گی (۱) چنانچہ بھارت میں رہ جانے والے مسلمانوں کو آزمائش کے ایک طویل دور کا سامنا کرنا پڑا۔ان پر روزگار کے دروازے اس لئے بند ہوئے کہ اردو زبان مسلمانوں کی زبان قرار دی گئی اور برسوں سے قائم شعری اور تہذیبی دبستان ویران ہو کر رہ گئے۔ دبستان لکھنؤ، دبستان دہلی، دبستان حیدر آباد، دبستان عظیم آباد اور رامپور کو قائم رکھنے والوں کو یقین ہو گیا کہ اب اس ملک میں نہ تو برابری کا درجہ حاصل ہو گا اور نہ انہیں علم و ادب کی ترقی کا کوئی موقع میسر آسکے گا، چنانچہ انہوں نے اجتماعی امنگوں کی مملکت پاکستان کا رخ کیا۔مشہور و معروف ادباء، شعراء اور دوسرے تمام شعبہ ہائے علم فنون کے لوگوں نے پاکستان کو ہجرت کی۔ اس ہجرت کے نتیجے میں انہوں نے کیا کھویا، کیا پایا، یہ ایک اور بحث ہے۔ (۲) بہر طور اس تناظر کو سمجھنا مشکل نہیں کہ استاد قمر جلالوی کو ہجرت کیوں کرنا پڑی۔ گیارہ ستمبر ۱۹۴۷ء کو وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ پاکستان تشریف لے آئے تھے (۳) بظاہر ایک نئے شہر کراچی کو پاکستان کا دارالخلافہ بنایا گیا تھا اور مگر یہ شہر دیکھتے ہی دیکھتے تہذیب وتمدن کے معاصر مراکز کی صف میں شمار ہونے لگا کہ بڑی قد آور اور علمی و ادبی شخصیتوں کا مسکن بنا۔ جوشؔ ملیح آبادی کے علاوہ دیگر اکابر شعراء بھی بہت بڑی تعداد میں کراچی ہی میں مقیم ہوئے۔۔۔ہجرت کے واقعات کو قمر جلالوی نے سب سے پہلے اپنی غزلوں کے ذریعے مشاعروں میں پیش کیا۔ اس اعتبار سے قمر جلالوی وہ پہلے شاعر تھے جن کے کلام میں ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان میں آنے والے مہاجرین کے دکھ درد کا احوال رقم ہوا ہے۔ گویا انہیں صحیح معنوں میں ''شاعرِ ہجرت'' کا خطاب دیا جا سکتا ہے۔ بالخصوص ان کے یہ مصرعے اور شعر تو اس زمانے کے علاوہ آج بھی بے حد مقبول اور مشہور ہیں:

ع اے مرے ہم نشیں چل کہیں اور چل

ع کب میرا نشیمن اہلِ چمن گلشن میں گوارا کرتے ہیں

پاکستان میں تشریف لانے کے بعد ان کی شاعری میں نمایاں تبدیلی نظر آتی ہے، مگر ان کے ہاں مقبول لہر 'ہجرت' کے حوالے سے ہی رہی، زبان و بیان، لب و لہجہ اور سہل ممتنع سے اس اسلوب میں بھی انہوں نے بھرپور کام لیا۔ وہ خود بھی اکثر اشعار میں اپنے بارے میں رائے کا اظہار کرتے رہے۔ مثلاً

ے قمر سا اہل وفا تم کو مل نہیں سکتا
چراغ لے کے ڈھونڈو اگر زمانے میں

یوں بھی نہیں تھا کہ استاد کو بڑے معاصرین میسر نہ تھے، بلکہ سیمابؔ اکبر آبادی، آرزوؔ لکھنوی، ارمؔ لکھنوی، جوشؔ ملیح آبادی جیسے اہم شعراء کی موجودگی میں خود کو منوانا اتنا آسان بھی نہ تھا۔ تقسیم کے بعد بھی دلی اور لکھنو اسکول کی

طرح دو اسکول بن گئے یعنی لاہور اسکول اور کراچی اسکول۔ لاہور والوں نے ہیئت اور فن کے نوع بہ نوع تجربے کئے۔ جدید حالات و افکار کو بھی اپنایا مگر بیشتر اپنی روایت سے رشتہ توڑ بیٹھے سوائے حلقۂ ارباب ذوق والوں کے جنھوں نے ہر قسم کے جدید تجربات کے باوجود روایت سے کسی نہ کسی نوع پر رشتہ برقرار رکھا۔ کراچی اسکول کے لیے روایت سے رشتہ توڑنا ان کے مزاج اور بس کی بات نہیں تھی پھر ہجرت کے کرب اور دوسرے المیوں اور تلخ تجربات نے کراچی کے شاعروں کے احساسات میں یک گونہ تلخی اور تلاطم پیدا کر دیا تھا جو اس دور کے کراچی کے تمام جدید غزل گو شعرا سلیم احمد، اطہر نفیس، فرید جاوید، رسا چغتائی اور محشر بدایونی کے اشعار میں نظر آتا ہے۔ اس زمانے میں استاد قمر جلالوی، بہار کوٹی، شیوہ بریلوی، امید فاضلی، قصری کانپوری، اطہر نفیس، عبید اللہ علیم اور دیگر مشہور شعرائے کرام کا بسیرا لیاقت آباد میں تھا۔ استاد قمر جلالوی کے دو مکان اور دکان لیاقت آباد میں تھی۔ لیاقت آباد کے ایک کیفے میں جواں سال شعرا روزانہ جمع ہو کر اپنی تخلیقات پیش کرتے اور ان پر سیر حاصل گفتگو ہوتی، وہاں پروفیسر ریاض صدیقی اور کامل القادری بھی بیٹھا کرتے تھے۔ شعر و ادب اور زبان کے موضوعات پر تبادلۂ خیال ہوتا تھا۔

تقسیم ہندوستان کے بعد یہاں ''پاک و ہند مشاعرہ'' مسابقت اور معاصرت کو وسعت دینے کا ذریعہ بن گیا۔ ہندوستان سے ہجرت کرنے والے تمام بڑے دبستانوں کے شعراء اور دیگر شعرا بھی وہیں اکٹھا ہوتے تھے۔ کراچی میں پرانی نمائش کے علاقے میں واقع کمپاؤنڈ کو اس مقصد کے لیے منتخب کیا گیا تھا۔ ان مشاعروں کے علاوہ قمر جلالوی کو سب سے پہلے جناب زیڈ۔ اے بخاری مرحوم نے ریڈیو پاکستان کے ذریعے عوام سے متعارف کرایا تھا۔ ان کے استاد ہونے کا علم جب عوام کو ہوا تو لوگوں نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور پھر پاکستان میں منعقد ہونے والے ہر مشاعرے میں بلایا جانے لگا۔ روایتی شاعروں کا ایک نصب العین حاکمِ وقت کی نگاہ میں اعتبار پانا اور ان سے کوئی اعزاز یا خلعت پانا رہا ہے، سو ۱۹۶۶ء میں صدر ایوب خان نے ایک جلسے میں استاد قمر جلالوی صاحب کو ۵۰۰ روپے نقد پیش کئے تو ایک طرح سے درباری قسم کے شاعروں میں تہلکہ مچ گیا۔ اس سے پہلے ۱۹۵۹ء میں حکومت پاکستان نے ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں ان کا ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا تھا جو تاحیات جاری رہا۔ (۴)

> جہاں تک استاد قمر جلالوی کے رنگِ سخن کا تعلق ہے، انہیں میر تقی میر کے دبستان کے آخری ایک دو شاعروں میں شمار کرنا مبالغہ نہ ہوگا۔

یہاں زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ استاد قمر جلالوی کے ان دو مجموعوں پر بالاستعیاب نگاہ ڈال لی جائے، جو ان کے رنگِ سخن کے نمایندہ اور غماز ہیں۔ یہ دونوں ہی ان کی وفات کے بعد ہی شائع ہوئے، تاہم ان میں بھی 'اوجِ قمر' (شیخ شوکت علی اینڈ سنز، کراچی طبع اول، ۲۷۰ صفحات) کو فوقیت حاصل ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ استاد رسمی تعلیم

سے محروم رہے، اسی طرح وہ بہت گہرے تاریخی، سیاسی یا سماجی شعور کے بھی حامل نہ تھے، مگر ایک شعری اور تہذیبی روایت نے ان کی تربیت کی تھی۔ ایک طرح کی مخصوص لفظیات پر انہیں دسترس تھی، رعایاتِ لفظی کی نزاکتوں سے واقف تھے اور معاملاتِ حسن و عشق کی نوک جھونک، رکھ رکھاؤ اور شوخی سے واقف تھے۔ چند مثالیں دیکھیے:

نگاہِ قیس ٹکراتی رہے گی سارباں کب تک؟ — یہ بندش بھی کسی دن پردۂ محمل سے ٹوٹے گی [ص۱۶]

شبِ وعدہ اوّل تو آتے نہیں تھے جو آئے بھی تو رات ایسی گنوائی
کبھی رات کو تم نے گیسو سنوارے کبھی رات کو تم نے مہندی لگائی [ص۱۷]

مَیں قفس سے چھٹ کے جب آیا تو اتنا فرق تھا — برق تھی گلشن کے اندر، مَیں تھا گلشن کے قریب [ص۲۸]
کب میرا نشیمن اہلِ چمن گلشن میں گوارہ کرتے ہیں — غنچے اپنی آوازوں میں بجلی کو پکارا کرتے ہیں [ص۶۱]
جہاں بھی چاہیں وہاں شوق سے شریک ہوں، آپ — مگر حضور ذرا بزمِ دشمناں سے گریز [ص۴۳]
لحد اور حشر میں یہ فرق کم پائے نہیں جاتے — یہاں دھوپ آ نہیں سکتی وہاں سائے نہیں جاتے [ص۸۸]
تم کو ہم خاک نشینوں کا خیال آنے تک — شہر تو شہر بدل جائیں گے، ویرانے تک [ص۱۰۴]
ہر ایک سے کہتے ہو کہ وہ مرتا ہے مجھ پر — چاہے کبھی صورت بھی نہ دیکھی ہو قمر کی [ص۱۰۷]
سنتے ہیں اب وہاں بھی چھائی ہوئی ہے ظلمت — ہم تو چراغ جلتے چھوڑ آئے تھے، وطن میں [ص۱۱۷]
اب تو قتلِ عام اس صورت سے روکا جائے گا — بڑھ کر خنجر چھین لیں گے پنجۂ قاتل سے ہم [ص۱۲۷]
سرے کا تِل بنا کے رخِ لا جواب میں — نقطہ بڑھا رہے ہو خدا کی کتاب میں [ص۱۳۳]

یہ تو بہت بعد میں ہوا کہ مملکتِ خداداد میں ریاکاری کو فروغ ملا، جس کے سبب رندی کے مضامین ایک طرح سے سماجی طنز کا درجہ اختیار کر گئے، جیسے:

اے شیخ مے کدے سے نکل دیکھ بھال کے — واپس نہ آ رہے ہوں نمازی نماز سے [ص۵۸]
اک تو حقدارِ نوازش ہے قمر، خانہ خراب — دوسرے مملکتِ پاکِ خدا داد بھی ہے [ص۴۴]
انساں کسی فطرت پر تو قائم ہو کم از کم — اچھا ہو تو اچھا ہو، برا ہو تو برا ہو [ص۳۷]
جور میں رازِ کرم، طرزِ کرم میں رازِ جور — آپ کی نظروں کو سمجھے ہیں بڑی مشکل سے ہم [ص۱۴۲]
شیخ لے نام تو کس طرح سے گھر جانے کا — بند مسجد ہوئی، در کھل گیا، مے خانے کا [ص۱۴۲]
شیخ جی ہوتا ہے اپنا کام اپنے ہاتھ سے — اپنی مسجد کو سنبھالیں آپ، بت خانے کو ہم [ص۱۴۳]
وہ آئیں فاتحہ پڑھنے، اب اعتبار نہیں — کہ رات ہو گئی، دیکھا ہوا مزار نہیں [ص۱۵۰]

ہو گیا بیمار کا دو ہچکیوں میں فیصلہ — ایک ہچکی موت کی اور اک تمہاری یاد کی [ص۱۵۲]
موسیٰ سے ضرور آج کوئی بات ہوئی ہے — جاتے میں قدم اور تھے، آتے میں قدم اور [ص۵۳]
ہم خیالِ قیس ہوں، ہم مشربِ فرہاد ہوں — حسن اتنا سوچ لے، دو بے کسوں کی یاد ہوں [ص۵۳]
تجھ سے مَیں واقف تو تھا، گندم نما و جو فروش — فطرتاً کھانا پڑا دھوکا کہ آدم زاد ہوں [ص۵۹]
ابھی پتوں پہ باقی ہیں جلے تنکوں کی تحریریں — یہ وہ تاریخ ہے، بجلی گری تھی جب گلستاں پر [ص۶۳]
مملکت کے کام سب چل جائیں گے، کچھ غم نہ کر — حسن جب دے گا خدا، طرزِ خرام آ جائے گا [ص۱۷۱]

سلیم احمد نے ان کے دوسرے مجموعے میں استاد کی تعریف و توصیف کے بعد اپنے مخصوص انداز میں لکھ دیا تھا: ''شعر و ادب کی دنیا تبدیل ہو کر کچھ سے کچھ بن گئی ہے، مذاقِ سخن میں ایسی تبدیلیاں ہوئی ہیں کہ لوگ آتش و مصحفی کو بھی شاعر نہیں مانتے تو بے چارے قمر جلالوی کس گنتی میں ہیں'؟(۵) گویا وہ خیال کرتے تھے کہ آنے والے وقت میں استاد قمر جلالوی کی شاعری ایک محدود طبقے کی یادداشت میں رہ جائے گی یا چند طبیعتوں کی تسکین کر پائے گی، مگر راقمہ کا خیال ہے کہ ان کی شاعری میں خیال آفرینی کی جوت اور شوخیٔ بیان کی دمک محض تاریخی یا رسمی حوالہ بننے کے لئے وجود میں نہیں آئی تھی۔ آیئے ان کے دوسرے مجموعے 'رشکِ قمر': (شیخ شوکت، کراچی طبع اول، صفحات ۱۵۶) کی صورت میں جو گلشن آراستہ ہے، اس کی سیر کا لطف لیا جائے۔

قید لکھی تھی کہ گلشن سے نکل ہی نہ سکا — بیڑیاں بن گئے تارِ رگِ گل ہائے بہار [ص۱۴]
نا سمجھی کانٹوں کی دیکھی — چھوڑ دیا گل چیں کا دامن [ص۱۷]
تجھے کیا ناصحا احباب خود سمجھائے جاتے ہیں — اِدھر تو کھائے جاتا ہے، اُدھر وہ کھائے جاتے ہیں [ص۲۰]
حشر میں بھی وہ کیا ملیں گے ہمیں؟ — جب ملاقات عمر بھر نہ ہوئی [ص۲۷]
کعبۂ دل کو نہ تاکو تم جفا کے واسطے — اے بتو، یہ گھر خدا کا ہے، خدا کے واسطے [ص۳۱]
یہ کہہ کر دیئے میری قسمت میں نالے — تمہاری امانت تمہارے حوالے ص[۳۹]
اب یہ منصور کو دی جاتی ہے ناحق سولی — حق کی پوچھو تو وہ اندازِ تکلم تو نہیں [ص۴۷]
اب آسان سی ہو گئی ہے محبت — کہ پابندیاں سب اٹھا لی گئی ہیں [ص۴۹]
گر نہیں خواب تو کیوں پھول کھلے دیکھتا ہوں — فصل یہ تو مجھے صیاد کے گھر ہوتی ہے [ص۵۰]
کچھ خاک، چند خارِ مغیلاں لئے ہوئے — بستی کو جا رہا ہوں بیاباں لئے ہوئے [ص۵۲]
کتنی پابندِ وضع ہے شبِ غم — کبھی غیروں کے گھر نہیں ہوتی [ص۵۷]

شیخ نے مانگا ہے مجھ سے میری توبہ کا ثبوت — لاناٹوٹے ہوئے رکھے ہیں مرے جام کہاں؟ [ص۶۳]

مری لحد پہ پتنگوں کا خون ہوتا ہے — حضور شمع نہ لایا کریں جلانے کو [ص۷۴]

دبا کے قبر میں سب چل دیئے، دعا نہ سلام — ذرا سی دیر میں کیا ہو گیا زمانے کو [ص۷۴]

دہائی ہے، تری تو لے خبر او لامکاں والے — چمن میں رو رہے ہیں، آشیاں کو آشیاں والے [ص۷۸]

اس لئے کی نہ مَیں نے شرحِ چمن — خاروگل میں کشیدگی ہوتی [ص۸۲]

کہیں حشر دونوں جہانوں میں نہ کر دیں — زمیں بوس آنسو، فلک بوس نالے [ص۸۹]

تمہیں بندہ پرور ہمیں جانتے ہیں — بڑے سیدھے سادے، بڑے بھولے بھالے [ص۸۹]

کھڑے ہیں حشر میں وہ سب سے آگے — کہ جیسے کوئی نا محرم نہیں ہے [س۹۳]

بلائیں لینے پہ آپ اتنے ہو گئے برہم — حضور کون سی جاگیر چھین لی، مَیں نے [ص۱۰۱]

بے سبب بت کدۂ دہر سے پھرنے والے — کفر جب بات نہ پوچھے تو مسلماں ہونا [ص۱۰۴]

جل گیا، گلشن میں گھر اور قید کی مدت بھی ختم — اب قفس سے چھوٹنے والا بڑی مشکل میں ہے [ص۱۰۷]

مزارِ مختصر ہے اور مَیں ہوں — بڑا تاریک گھر ہے اور مَیں ہوں [ص۱۱۷]

دکھا کے میرے جنازے کو مسکرا کے کہا — بتوں نے بات نہ پوچھی تو اب خدا کے چلے [ص۱۲۰]

ہمیں اے باغ باں کیوں باغ کا مالک نہیں کہتا — سروں کو بیچ کر قیمت ادا کی ہے، گلستاں کی [ص۱۲۸]

خدا رکھے تمہیں کیا کوئی جور بھول گئے — جو، اب تلاش ہمارا مزار ہوتا ہے [ص۱۳۶]

راستے بند کئے دیتے ہو، دیوانوں کے — ڈھیر لگ جائیں گے، بستی کے گریبانوں کے [ص۱۴۱]

آپ دن رات سنوارا کریں گیسو تو کیا — کہیں حالات بدلتے ہیں پریشانوں کے [ص۱۴۱]

شائد کچھ آگے آ گئے کوئے بتاں سے ہم — اب یاد کر رہے ہیں کہ بھٹکے کہاں سے ہم [ص۱۴۷]

بس اس قدر ہیں ترکِ محبت کے واقعات — کچھ بدگماں سے وہ ہوئے، کچھ بدگماں سے ہم [ص۱۴۷]

تمہاری کم سنی میں مَیں نے پالئے کیا پھل — جوان ہو کے مجھے کیا نہال کر دو گے [ص۱۵۵]

بس اب چپکے رہو منصور کی بابت نہ کہلواؤ — محبت اتنی بھر دیتے ہو جتنا دل نہیں ہوتا [ص۱۵۶]

جہاں تک ان کے باقی دو مجموعوں 'عقیدتِ جاوداں' اور 'غمِ جاوداں' کا تعلق ہے، ان میں بلاشبہ ایک مخصوص مسلک کے جوشِ عقیدت کے لئے وافر سامانِ تسکین ہے، مگر ان میں بھی ان کی مشاقی اور قدرتِ کلام کے ساتھ مخصوص رنگِ سخن دکھائی دیتا ہے۔

بظاہر ایسا دکھائی دیتا ہے کہ حاکموں کے مزاج پر گراں گزرنے والے اشعار کہنے کے استاد متحمل نہیں ہو سکتے تھے،مگر جب ارباب دانش اور شعراء پر پابندیاں دورِ ایوب خان میں لگائی گئی تھیں،تو استاد نے برملا کہا تھا:

؎ جو پر کتر دیئے دنیا میں ہوگی رسوائی　　　پَر اڑ کے جائیں گے جانے کہاں کہاں صیاد

اسی طرح اُستاد قمر جلالوی علامہ اقبال اور مولانا محمد علی جوہر کی خدمات کے معترف تھے اور ان پر قطعات بھی کہے ہیں۔ان کے ایک قریبی رفیق کا بیان ہے کہ نواب شہید یار جنگ نے ان کو حیدر آباد مدعو کیا۔قمر جلالوی طویل سفر کر کے حیدر آباد وارد ہوئے لیکن شومئ قسمت کہ ان کی آمد سے پہلے شہید یار جنگ انتقال کر گئے۔ نامپلی ریلوے اسٹیشن پر جب قمر جلالوی کو شہید یار جنگ کے انتقال کی اطلاع ملی تو انہوں نے فی البدیہہ یہ شعر کہا:۔

؎ ہائے افسوس نہ کی بات نہ صورت دیکھی　　　ہم عیادت کے لیے آئے تھے میت دیکھی

بہر حال حیدر آبادی عوام ایک عرصے کے بعد قمر جلالوی کے کلام سے مستفید ہو سکے۔(۶)

استاد سید محمد حسین صاحب قمر جلالوی کے نام سے منسوب اردو ماہنامہ قمر آپ کی بھتیجی سیدہ حسینی بانو عرف بینا رانی ناز صاحبہ نے بمبئی سے ۱۹۶۶ء میں جاری فرمایا تھا۔۔آپ کو ''بزمِ قمر'' علی گڑھ کی جانب سے علی گڑھ میں آخری آمد کے موقع پر سپاسنامہ پیش کیا گیا تھا جس میں آپ کو ''میر دوراں'' کے لقب سے ملقب کیا گیا تھا۔ کنیز فاطمہ بنت قمر جلالوی کہتی ہیں:۔

> ''اس بزم کی جانب سے مشاعرے اور ادبی محفلیں بھی منعقد ہوتی تھیں جن میں معروف شعراء اور مداح، وہ شاگرد جوابا سے اصلاح لیتے رہے تھے اور حلقۂ احباب سے بڑی تعداد میں لوگ شریک ہوتے تھے۔ رسالہ ''قمر'' میں بھی مشہور شاعروں، ادیبوں اور ان کے شاگردوں کا کلام اور مضامین کی اشاعت ہوتی تھی۔''(۷)

اُستاد قمر جلالوی کے بارے میں ایک عام تاثر یہ ہے کہ وہ مطلق پڑھے لکھے نہیں تھے۔ یہ معلوم کرنے کے لیے راقمہ نے کنیز فاطمہ بنت قمر جلالوی کا انٹرویو بھی لیا جو ان کی تعلیم کے حوالے سے تھا۔انہوں نے بتایا کہ۔۔''ابا نے ہمارے چار جماعتیں اسکول میں پڑھیں پھر گھر پر بندوبست کیا گیا''،اسی طرح محمد لطف اللہ خاں نے تحریر کیا ہے:۔

حال ہی میں برادرم مشفق خواجہ نے استاد قمر کی خودنوشت کی ایک نقل دی ہے۔اس کی نوعیت یہ ہے کہ پچھلے پینتالیس ۴۵ سال کے دوران ''خصوصی ریکارڈنگ'' کے سلسلے میں جن شاعروں، ادیبوں اور دانشوروں کی میں نے ریکارڈنگ کی ہے اور ان سے جس طرح کا میرا ملنا جلنا رہا ہے،اس کی روشنی میں اپنے ذاتی تاثرات قلم بند کر رہا ہوں۔ چنانچہ وہ مختصر سی ''خودنوشت''، جس کا کہ میں نے ابھی ذکر کیا ہے، ایک خط کی شکل میں ہے، جسے استاد قمر نے کسی مرزا

صاحب کے نام لکھا ہے۔ یہ تحریر بڑے کام کی نکلی۔ اس کے حوالے سے دو ایسی اہم باتیں سامنے آئیں جواب تک میرے علم میں نہ تھیں اور میں ایک عرصے تک غلط فہمی کا شکار رہا۔ ایک تو وہی بات جس کی تفصیل میں ابھی سنا چکا ہوں کہ

''استاد قمر کے کلام میں حزن و ملال کا وہ عنصر جو بکثرت پایا جاتا ہے، آخری عمر کی زبوں حالی کا نتیجہ نہیں تھا۔ دوسری بات یہ کہ انہوں نے کسی سید زندہ علی صاحب سے اردو اور فارسی کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی تھی۔ یہ ایک ایسا انکشاف ہے جس نے میری غلط فہمی کو دور کر دیا۔ یعنی وہ مفروضہ رد ہو گیا کہ استاد قمر ''ناخواندہ'' تھے۔ یہ تاثر مجھے کتنے ہی واقف کاروں نے دیا تھا۔''(۸)

محمد لطف اللہ خان نے مزید لکھا ہے:۔

''کچھ عرصہ ہوا، ساقی فاروقی سے ملاقات ہوئی۔ ضیاء جالندھری بھی موجود تھے۔ خبر نہیں کس طرح گفتگو کا رخ استاد قمر کی طرف ہو گیا۔ ساقی فاروقی نے کہا (ایک مکالمہ، کی شکل میں راقمہ نے لکھ دیا ہے)

ساقی فاروقی: ''استاد خود نہیں لکھتے تھے اوروں سے لکھواتے تھے۔''

محمد لطف اللہ: ''اس میں ناخواندگی کا پہلو کہاں نکلتا ہے۔ بیسیوں نامور شعراء بہ شمول علامہ اقبال یہی کچھ کیا کرتے تھے۔''

اس پر ساقی نے کھل کر الزام دھرا ''استاد قمر اس لیے لکھواتے تھے کہ انہیں لکھنا نہیں آتا تھا۔''(۹)

ساقی فاروقی استاد قمر جلالوی کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ:۔

''۔۔۔۔۔ بالکل اُمی تھے۔۔۔۔ آخر آخر میں دستخط کرنا سیکھ گئے تھے(۱۰) گاندھی گارڈن میں ان کی سائیکلوں کی دکان تھی۔ لوگوں کی غزلوں اور سائیکلوں کی مرمت کرتے تھے۔ یہ بوڑھے ہی پیدا ہوئے ہوں گے۔ جگت استاد تھے۔ دکان میں بڑی اور تگڑی کیلوں دیواروں پر پہیے، ہینڈل اور سائیکل کی زنجیریں لٹکی رہتیں۔(۱۱)

۔۔۔''ایک طرف ایک چھوٹی سی کیل کچھ اس طرح موڑ کر ٹھونکی گئی تھی کہ کھونٹی بن گئی تھی۔ کام کرتے رہتے اور غزلیں کہتے رہتے۔ جب کوئی پڑھا لکھا گاہک آتا یا ان کا کوئی پرستار دکان میں داخل ہوتا تو اپنے گنگناتے ہوئے اشعار کاغذ پہ لکھوا کے اسی کھونٹی پر ٹانگ دیتے۔ میں نے بھی ان کی ایک دو غزلیں لکھ کر ٹانگی تھیں۔ ایک بار اردو کالج کے ایک مشاعرے کے لیے شائستہ بیزار کو (پروفیسر کرار حسین کی نہایت لمبی اور ذہین بیٹی اس زمانے میں کمیٹڈ شاعرہ تھیں بعد میں کمیٹڈ حساب داں ہو گئیں۔ افسوس) ٹیکسی میں بٹھا کر انہیں لینے ان کی دکان پر پہنچا۔ کالی شیروانی، علی گڑھ پاجامے اور پمپ میں مقید

تیار ملے مگر چلنے سے پہلے کہنے لگے ''میاں بادامی کاغذ والی غزل ذرا پڑھ کر سنا دو، ایک شعر یاد نہیں آ رہا۔''(۱۲)

اسی واقعہ کو محمد لطف اللہ خان نے مختصراً اس طرح تحریر کیا ہے:۔

''اُستاد کسی مشاعرے میں مدعو تھے۔ساقی کے ذمہ یہ ڈیوٹی لگائی گئی تھی کہ استاد قمر کو لے کر مشاعرہ گاہ پہنچیں۔چنانچہ ساقی فاروقی دو اور شعرا کے ہمراہ جن میں شائستہ زیدی بھی شامل تھیں، موٹر میں روانہ ہوئے۔راستے میں استاد پر ایک غزل وارد ہوئی۔انہوں نے چلتی ہوئی گاڑی میں شائستہ زیدی کو لکھوا دیا۔مشاعرے سے گھر لوٹے تو استاد قمر نے غزل کی وہ پرچی لے کر سائیکل کے پہیے کی ایک سلاخ ''ننھی تار'' میں چبھو کر رکھ دی۔ چند سال پہلے تک گھروں میں اہم کاغذات کو محفوظ رکھنے کا یہی طریقہ عام تھا۔(۱۳)

مگر اس واقعے سے بھی استاد قمر کی ناخواندگی ثابت نہیں ہوتی۔چلتی ہوئی گاڑی میں لکھنا اچھے اچھوں کے بس کی بات نہیں، چہ جائیکہ استاد قمر عالم پیری میں استاد اس کٹھن مرحلے سے گزرتے۔ایسی شہادتیں ملتی ہیں کہ انہوں نے بچپن میں سید زندہ علی صاحب سے باقاعدہ اردو اور فارسی کی تعلیم حاصل کی تھی نیز ان کا وہ انداز تحریر جو میں نے اس دستاویز میں دیکھا ہے ایک کہنہ مشق کا خط دکھائی دیتا تھا۔میرا اشارہ ''غم جاوداں'' (۱۹۷۴ء) کی اشاعت میں استاد قمر کی تحریر کا ایک عکس شائع ہوا ہے جو شاعر بے بدل کے خواندہ ہونے کی دلالت کرتا ہے۔مثلاً یہ دیکھئے: ''تحریر بہت پختہ تھی''(۱۴) یہ وہ الفاظ ہیں جو استاد قمر جلالوی کے شاگرد رشید (فضا جلالوی مرحوم) کے ہیں۔ یہ تو راقمہ نے خود بھی دیکھا ہے کہ ان کی تحریر کا عکس شعری مجموعہ میں ایک غزل لکھی ہوئی جس میں لفظوں کی کاٹ چھانٹ بھی استاد مرحوم کے ہاتھ کی ہے۔اُستاد قمر جلالوی کی ڈائری کا ایک صفحہ جس کو وہ اپنی بیاض کے طور پر استعمال کرتے تھے۔(عبارت) August 1952 تحریر ہے اور تاریخ 22 Friday 3021QAD چھپی ہوئی ہے۔دائیں طرف 7BHADON 786 لکھا ہوا ہے۔

سات اشعار پر مبنی ہے یہ غزل جس کا مقطع ہے:۔

؎ چاندنی رات کا کیا لطف قمر کو آئے   لاکھ تاروں کی بہاریں ہیں مگر تم تو نہیں

مقطع کے نیچے ذیل میں اس طرح نوٹ دیا گیا ہے:۔

نوٹ: استاد یہ غزل ان کے دوسرے مجموعہ غزلیات ''رشک قمر'' میں ملاحظہ کیجئے۔(۱۵) غمِ جاوداں (سلام)، رباعیات وقطعات اور مرثیوں کا مجموعہ) اس کتاب میں بھی شروع ہی میں استاد کا عکس تحریر ہے۔ یہ ایک رباعی ہے جس کا پہلا مصرعہ یہ ہے:۔

؎ بیاں کرتی تھی ماں شیون میں فریادوں میں نالوں میں (۱۶)

حوالہ جات

۱۔ ساجد امجد، ڈاکٹر، 'اردو شاعری پر برصغیر کے تہذیبی اثرات'، گنج شکر پریس، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۴۸۶

۲۔ احمد حسین صدیقی: 'دبستانِ کراچی' (حصہ اول)، فضلی بک سپر مارکیٹ، اردو بازار، کراچی، ۲۰۰۳ء، ص ث

۳۔ استاد قمر جلالوی: 'رشک قمر'، سوانحی خاکہ از فضا جلالوی، شیخ شوکت علی اینڈ سنز، کراچی، ص ۹

۴۔ احمد حسین صدیقی، 'دبستان کراچی' (حصہ اول)، ص ۳۶۵

۵۔ 'رشکِ قمر': شیخ شوکت، کراچی، طبع اول، ص: ۱۲

۶۔ بشیر احمد، ڈاکٹر سید، ''اردو کے روشن مینار۔ قمر جلالوی''، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۰۸ء، ص ۱۸۷

۷۔ محمد کمال الدین حسین ہمدانی، پروفیسر حکیم سید: ''اشجارِ الکمال۔ 'قمر جلالوی''، لیتھو کلر پرنٹرز، علی گڑھ

۸۔ 'تماشائے اہل قلم'۔ قمر جلالوی، مکتبہ دانیال، کراچی، ایڈیشن ۱۹۹۶ء، ص ۱۳۶

۹۔ ایضاً ص ۱۳۷

۱۰۔ آپ بیتی/ پاپ بیتی۔ کراچی، ص ۷۳

۱۱۔ ایضاً ص ۷۴

۱۲۔ ایضاً ص ۷۵

۱۳۔ 'تماشائے اہل قلم'۔ ص ۱۳۷

۱۴۔ فضا جلالوی، 'سوانحی خاکہ'، مشمولہ رشک قمر۔ استاد قمر جلالوی، کراچی، ۱۹۷۷ء، ص ۹

۱۵۔ اُستاد قمر جلالوی، اَوج قمر ''عکس تحریر'' ڈائری کا ایک صفحہ۔ کتاب کے اندر شروع کے صفحات پر، سندھ آفسٹ پرنٹرز، کراچی، ۱۹۸۶ء

۱۶۔ اُستاد قمر جلالوی، 'غمِ جاوداں' (عکس تحریر استاد قمر جلالوی مرحوم)، سندھ آفسٹ پرنٹرز، کراچی، ۱۹۸۶ء

❀……❀……❀